مطالعۂ قرآن

کے

اصول و مبادی

از

مولانا ابوالحسن علی حسنی ندوی

ناشر

مکتبہ اسلام ۲/۵۴ ۷ احمد علی لین، گوئن روڈ، لکھنؤ

ایک تجربہ ایک مشورہ

قرآن مجید سے ذاتی اور قوی تعلق، ربط و مناسبت اور اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ اور اس کے ذریعہ سے ترقی اور قرب الٰہی حاصل کرنے کے سلسلہ میں ایک تجربہ اور مخلصانہ مشورہ یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے کلام اللہ سے براہ راست اشتغال اور متن قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ تلاوت کی جائے، اس سے لذت و ذوق حاصل کیا جائے اور اس کے معانی و مضامین میں تدبر سے کام لیا جائے، اگر بقدر ضرورت عربی زبان کی استعداد اور اس کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہو گئی ہے تو براہ راست، ورنہ کسی معتبر ترجمہ اور مختصر حاشیہ کے ذریعہ حتی الامکان انسانی تفہیم و تشریح کی مدد پر انحصار اور تفسیروں کی بار بار مراجعت کے بغیر قرآن مجید کی تلاوت اس کے سمجھنے اور اس کا لطف لینے کی کوشش کی جائے اور ایک عرصہ تک اسی پر اکتفا کیا جائے، اور

توفیق خداوندی اور اعانت الٰہی سے جو کچھ میسر آئے اس پر ہزار زبان سے شکر کیا جائے کہ ؏

گر آنچہ ساقیٔ ما ریخت عین الطاف است

اس میں سوائے اضطراری موقعوں کے کہ کسی لفظ کی تحقیق، کسی شبہ کے ازالہ اور کسی سبب نزول کی واقفیت کے بغیر کام نہ چلتا ہو کتب تفسیر (عربی و اردو) کی تفصیلی بحثوں مفسرین و مصنفین کی دقیقہ سنجیوں اور نکتہ آفرینیوں سے پرہیز کیا جائے کہ بعض اوقات قرآن مجید کے چشمہ صافی پر انسانی عقول و علوم کا ایسا ہی سایہ پڑ جاتا ہے جیسا کہ کسی صاف شفاف چشمہ پر کنارے کے درختوں کے گھنے سایہ کا، اور پھر اس میں وہ لطافت و اصلیت اور کلام الٰہی کی حلاوت و لذت باقی نہیں رہتی جو اس کی اصل جان ہے، بلکہ بعض اوقات یہ تجربہ ہوا ہے کہ پڑھنے والا کسی لائق و ذہین انسان کی تفہیم سے (جس سے وہ پہلے سے متاثر تھا) اس سے کچھ زیادہ ہی متاثر ہو جاتا ہے جتنا کہ اصل کلام سے اس کو متاثر ہونا چاہیئے، اور اس کے ذہن کے کسی روزن سے یہ بات اس کے شعور میں داخل ہو جاتی ہے کہ اس کلام کی عظمت و جلال اور اس کا حسن و جمال شاید اس تفہیم کے بغیر سامنے نہ آتا اور کم سے کم یہ بات ضرور ہوتی ہے کہ انسان کلام الٰہی کو اس کے کسی خاص مفسر یا شارح یا ترجمان کی عینک ہی سے دیکھنے کا عادی بن جاتا ہے۔[1]

[1] حاشیہ اگلے صفحہ پر

یہ مضمون کچھ ایسا نازک تھا کہ اس بارہ میں بڑا ڈر رہا کہ یہ بات لکھی جائے، اور وہ قلم کی گرفت میں آئے گی یا نہیں؟ اور اس سے کسی غلط فہمی کے پیدا ہونے کا اندیشہ تو نہیں ہے کہ اس کتاب کی تصنیف کے دوران اتفاقاً مولانا عبدالباری صاحب ندوی مرحوم (سابق استاد فلسفہ جدید و تفسیر قرآن جامعہ عثمانیہ حیدرآباد) کے مضمون "میری محسن کتابیں"[2] پر نظر پڑی۔ مولانا کو قرآن مجید کا خاص ذوق اور اس کا فہم عطا ہوا تھا اور مصنف کو اس باب میں ان سے استفادہ کا موقع ملا ہے، یہ دیکھ کر بڑا اطمینان ہوا کہ انھوں نے یہی بات زیادہ خوبی کے ساتھ اپنے خاص انداز میں کہی ہے، اس اقتباس پر مضمون کو ختم کیا جاتا ہے:۔

"کہنے کی بات نہیں، لیکن آپ سے کہہ دینے کو جی چاہتا ہے، کہ میرا تو یہ حال ہو گیا ہے کہ لغت اور زبان کے اعتبار

---

[1] (حاشیہ صفحہ گزشتہ) یہ بات قرآن مجید کے اوسط درجہ کے تلاوت و مطالعہ کرنے والوں کیلئے ہے۔ علماء کبار، اساتذہ و مدرسین تصنیفی کام کرنے والوں اور کلامی و فلسفیانہ مسائل پر لکھنے اور بحث کرنیوالوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، ان کو بعض اوقات درجنوں، بیسیوں کتب تفسیر، کتب لغت و نحو اور عارفین و محققین کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے اور ایسا کرنا ضروری ہوتا ہے۔ [2] مندرج کتاب "مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں" شائع کردہ مکتبہ ندوۃ العلماء، لکھنؤ و مجلس نشریات اسلام کراچی

سے معانی سمجھ لینے کے بعد یا اگر کوئی واقعہ طلب شئی ہو، تو واقعہ کو سمجھ لینے کے بعد، جہاں اور جس مقدار میں اس کلام اللہ کے ساتھ تفسیر وغیرہ کی صورت میں کلام الناس کو شریک کیا، اسی قدر (ہمیشہ نہیں، لیکن زیادہ تر) ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ جو روشنی ملی تھی اس کی جگہ پھر تاریکی چھانے لگی۔ بس "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى" میں اپنا پرایا جتنا ہوائی "علم"[1] مل جاتا ہے، شاید اتنا ہی خالص وحی کے علم کا حجاب بن کر اس کے فیضان کو روک دیتا ہے، اس لئے میرے نزدیک تو مفسر کے علم و تقویٰ کو معلوم کئے بغیر ہر تفسیر کو پڑھنے لگنا بہت خطرناک ہے، الا آنکہ کسی کا علم و تقویٰ خود کافی محافظ ہو، اور آجکل تو ہر شخص مفسر ہے اور ہر اخبار و رسالہ اس کی تفسیر شائع کرنے کے لئے کھلا ہوا ہے۔

ایک بات اور سمجھ میں آتی ہے کہ لوگ پورا قرآن سمجھنے سمجھانے کی فکر میں لگ جاتے ہیں، یقیناً سارا قرآن ساری انسانیت کی ہدایت کے لئے ہے، لیکن ہر انسان کے لئے سارا قرآن اسی طرح نہیں جس طرح کرۂ ارض کا سارا رزق ساری انسانیت کے لئے ہے، لیکن ہر انسان کے لئے نہیں، اگر ہر آدمی خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا کے تحت سارے آدمیوں کا

---

[1] ہوئی کی طرف نسبت ہے۔

کیا، دو چار کا حصہ بھی ہوس میں آ کر کھا جائے تو اکثر صورتوں میں بدہضمی اور بعض میں ہلاکت یقینی ہے ؂

قسمت حق است روزی خوار نے

ہر یکے را سوئے دیگر راہ نے

جس طرح ہر جسمانی غذا کا ہر مزاج و ماحول کے انسان کے لئے موافق آنا ضرور نہیں، وہی حال روحانی غذا کا بھی ہے، بلکہ ارواح کے الوان و اختصارات اجسام سے بہت زیادہ کثیر و متفاوت معلوم ہوتے ہیں، ایک شخص دوسرے کا حصہ کیسے پا سکتا ہے؟"[1]

---

[1] محسن کتابیں ص ۳۰-۲۶